بے خبری اور جذباتیت کی زہرآلودگی

افتخار گیلانی

بھارتی دارالحکومت نئی دہلی میں تقریباً تین عشروں تک بطور صحافی کام کرتا رہا۔ اس دوران میں جب کبھی حساس اداروں سے وابستہ حاضر سروس یا ریٹائرڈ افسران سے آف دی ریکارڈ گفتگو کا موقع ملتا، تو وہ بتاتے کہ ''پاکستان کو الجھائے رکھنے کے لیے وہاں مذہب، مسلک اور لسانی قومیت کے مسائل کو اٹھا کر آگ جلائے رکھنا ضروری ہے اور آسان بھی''۔ بھارت میں حکمران بھارتیہ جنتا پارٹی کے انفارمیشن ٹکنالوجی سیل سے وابستہ ایک سابق اہلکار نے ایک بار مجھ سے کہا تھا: ''بھرتی کے دوران ہمیں مسلمانوں میں اشتعال دلانے کی باضابطہ تربیت دی جاتی ہے۔ ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ مسلمان جذباتی ہوتے ہیں اور جلد ہی اشتعال میں آجاتے ہیں اور اس کا فائدہ اٹھا کر ان کو اُلجھائے رکھنا بہت ہی آسان ہے''۔

۱۹۶۰ء کے عشرے میں پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کے مقابلے کے لیے بھارتی خفیہ اور حساس اداروں کے افسران کی ایک میٹنگ طلب کی گئی۔ اس میٹنگ میں شریک ایک اعلیٰ افسر مولائی کرشنا دھر بھی شریک تھے۔ انھوں نے بعدازاں ایک کثیرالاشاعت کتاب *Mission to Pakistan* (ناشر: مانس پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء، صفحات: ۲۰۷) لکھی، جس میں بتایا: ''اس میٹنگ میں طے پایا تھا کہ پاکستان کے مرکزی شہر کراچی میں مسلکی منافرت کو شہ دے کر پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کو جوابی طور پر سبق سکھایا جائے''۔ اسی کتاب میں انھوں نے مزید لکھا: ''انٹیلی جنس ایجنسی کے سربراہ کے حکم پر شدت پسند نظریات رکھنے والے ہندو نوجوانوں کی ایک ٹیم تیار کی گئی اور ان کو دین اسلام کے باریک سے باریک نکات سے واقف کرایا گیا، تاکہ وہ ایک جیّد عالم کی طرح

بحث و مباحثہ کرسکیں۔ ان کی ابتدائی تربیت دہلی سے متصل ایک فارم ہاؤس میں ایک افسر شیام پروہت المعروف 'مولوی رضوان' نے کی۔ حساس ادارہ جوائن کرنے سے پہلے پروہت ایک شدت پسند ہندو تنظیم کا سرگرم رکن تھا اور دین اسلام کے متعلق اس کی معلومات قابلِ رشک تھیں۔ ابتدائی تعلیم کے بعد پروہت نے اپنے ایک شاگرد گوتم رے المعروف 'مہم خان' کو مزید تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند بھیجا۔ جہاں اس نے مناظرے کے فن میں خاصی مہارت حاصل کی۔ فراغت کے بعد ٹریننگ کے ایک اگلے حصّے کے طور پر مہم خان صاحب نے بریلی جا کر علمائے بریلی کو مناظرے کی دعوت دی۔ مگر مناظرے سے ایک رات قبل گوتم رے صاحب (یعنی 'مہم خان') دادِعیش دینے ایک طوائف کے کوٹھے پر جا پہنچے۔ طوائف اس بات پر حیران ہوئی کہ مولوی کی صورت والا یہ شخص غیر مختون کیوں ہے؟ اس نے جب مسٹر رے یا 'مہم خان صاحب' کو لانے والے دلال سے یہ ماجرا پوچھا تو وہ بھی حیران و پریشان ہوگیا اور سیدھا 'خان صاحب' کے تعاقب میں ان کی قیام گاہ تک پہنچ گیا۔ وہاں اسے معلوم ہوا کہ یہ 'جید مولوی صاحب' تو علمائے دیوبند کے اس وفد میں شامل ہیں، جو علمائے بریلی کے ساتھ مناظرہ کرنے آیا ہے تو مزید حیرت میں گم ہوگیا۔ یہ بات اس نے علمائے بریلی کو جا کر بتائی۔ اس طرح یہ بات پھیل گئی کہ دیوبندی، ختنہ نہیں کراتے۔ صورت حال کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے خان صاحب یا گوتم رے پہلی ہی بس میں سوار ہو کر دہلی فرار ہوگئے''۔

ان کے بعد دیگر سیدھے سادے مولویوں کا کیا حشر ہوا؟ مسٹر دھر، نے اس سے پردہ نہیں اٹھایا بلکہ ان کا کہنا ہے: ''اس واقعے کے بعد چیف صاحب نے پہلا حکم یہ دیا: ''آیندہ ایسے آپریشنز کے لیے بھرتی کیے گئے اہلکاروں کو سب سے پہلے 'حسب حال' بنایا جائے''۔ دھر بھارتی انٹیلی جنس بیورو کے نائب سربراہ کے عہدے سے ریٹائر ہوئے، انھوں نے یہ کتاب ایک ناول کی شکل میں لکھی ہے، مگر وہ دیباچے میں واضح طور پر لکھتے ہیں: ''یہ حقیقی آپریشن کی روداد ہے، جس میں مَیں نے صرف افراد اور جگہوں کے نام بدل دیے ہیں''۔ ایم کے دھر کا چند برس قبل انتقال ہوگیا، مگر ان کی کتاب شائع ہو رہی ہے۔

قصّہ مختصر یہ کہ صرف بھارتی خفیہ ادارے کا کوئی ایسا سربستہ راز نہیں ہے، جس پر سے دھر صاحب نے پردہ اٹھایا ہو۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر مصروف مغربی ممالک کی

متعدد ایجنسیاں نظریۂ اسلام کے خلاف علانیہ جنگ اور مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی تگ ودو میں نہ صرف خود مصروف ہیں، بلکہ مسلمانوں کے اندر سے بھی چند عناصر کو اُکسا کر اسلام کی شبیہہ کو خراب کرکے اور غیرمسلموں اور مسلمانوں کے اندر لبرل عناصر کو اس سے متنفر کرکے، اسلاموفوبیا کے ایجنڈے میں گہرا رنگ بھرنے کا کام کررہی ہیں۔

اسی طرح دہلی کی ایک عدالت میں بھارت کے مرکزی تفتیشی بیورو یعنی سینٹرل بیورو آف انوسٹی گیشن (CBI) کی ایک رپورٹ موجود ہے، جس کو بنیاد بناکر عدالت نے دو مسلم نوجوانوں ارشاد علی اور نواب معارف قمر کو گیارہ سال بعد رہا کر دیا تھا۔ یہ دونوں افراد بھارت کے خفیہ ادارے اینٹلی جنس بیورو (IB) اور دہلی کی اسپیشل پولیس کے مخبر تھے، جو بعد میں انھی کے عتاب کا شکار ہوکر جیل میں چلے گئے۔ ان کے ہوش ربا انکشافات 'سی بی آئی' اور کورٹ کے ریکارڈ پر موجود ہیں۔ بہار کا مکین ارشاد علی اپنے ساتھی معارف قمر کے ساتھ کشمیر میں مخبری کا کام کرتا تھا اور چند افسران اس کو لائن آف کنٹرول پار کرکے 'لشکر طیبہ' میں شامل ہونے کے لیے دباؤ ڈال رہے تھے۔ جب خوف کے مارے ارشاد نے انکار کیا، تو ملاقات کے لیے موصوف کو دہلی بلاکر دو ماہ تک قید میں رکھا گیا۔ بعد میں ایک کشمیری گروپ سے وابستہ دہشت گرد قرار دے کر جیل میں ڈال دیا گیا۔

ارشاد علی کے بیان کے مطابق: کسی مسلم علاقے میں زاہدانہ وضع قطع کا کوئی نہ کوئی مولوی ٹائپ شخص روانہ کیا جاتا ہے، جو اسلامی علوم میں دسترس رکھتا ہے اور یہ حضرت یا تو کسی مسجد کے آس پاس مکان کرایہ پر لیتے ہیں یا مسجد میں ہی ڈیرہ جماتے ہیں۔ اس کے متقی پن اور پرہیزگاری سے متاثر ہوکر محلّے یا گاؤں کے افراد اس کے گرویدہ ہوجاتے ہیں۔ یہ حضرت، رقت آمیز بیانات میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم کی داستانیں سنا کر جذباتی اور پڑھے لکھے نوجوانوں کو منتخب کرکے جہاد کی ترغیب دیتے ہیں۔ لوہا جب خوب گرم ہوجاتا ہے، تو ایک دن یہ حضرت معتقدین کے اس گروپ پر ظاہر کرتے ہیں، کہ وہ دراصل کسی تنظیم کے کمانڈر ہیں۔ جذبات میں مغلوب نوجوان اب کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔ ان کو ہتھیار چلانے کی معمولی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ یہ مولوی صاحب اس دوران مسلسل افسران کے رابطے میں ہوتے ہیں۔ ٹارگٹ متعین بھی کر دیا جاتا ہے۔ آخر میں یہ نوجوان پکے پھلوں کی طرح ان سیکورٹی ایجنسیوں کے بنے

جال میں گر جاتے ہیں اور اگر ان کا ’انکاونٹر‘ [جعلی مقابلے میں قتل] نہ ہو جائے، تو زندگی کا بیش تر حصّہ مختلف جیلوں میں گزارتے ہیں۔ میڈیا میں خبر آتی ہے، کہ ’’دہشت گردوں کے ایک بڑے نیٹ ورک کا پردہ فاش کیا گیا۔ مگر اس کا سرغنہ یا ایک دہشت گرد فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ان پکڑے گئے افراد کو بتایا جاتا ہے، کہ آپ پر رحم کھا کر جیل بھیجا جا رہا ہے، ورنہ ’انکاونٹر‘ میں مارا جانا لازمی تھا۔ وہ بھی پولیس اور اداروں کے احسان مند رہتے ہیں، کہ مارنے کے بجائے ان کو جیل بھیج دیا گیا، جہاں اگلے سات تا دس سال گزارنے کے بعد وہ رہا ہو جاتے ہیں۔

وادیٔ کشمیر کے تجارتی اور سیاسی لحاظ سے اہم قصبے سوپور میں اسکول اور کالج کے دور میں، میں میر سید علی ہمدانیؒ [۱۳۱۴ء-۱۳۸۴ء] کی خانقاہ میں نماز جمعہ ادا کرتا تھا۔ سیّد علی ہمدانیؒ کا تحریر کردہ وظیفہ اورادِ فتحیہ وحدانیت پر مشتمل کلام ہے۔ نماز سے قبل شمالی کشمیر کے مفتی اعظم مولوی غلام حسن، مسلم امت میں خلفشار اور تفرقوں کا ذکر کرتے ہوئے، اتحاد بین المسلمین کے لیے رقت آمیز دعا کرواتے تھے، مگر اسی دوران فوراً ہی ان کا ٹریک تبدیل ہو جاتا تھا۔ وحدت کا درس دینے کے چندمنٹ بعد وہ جماعت اسلامی، مولانا مودودی، ایرانی انقلاب وغیرہ کو ہدفِ تنقید بنانا شروع کر دیتے تھے۔ ان کا اصل نشانہ تو جماعت اسلامی ہی ہوتی تھی، اور وہ کہتے تھے کہ ’’جماعت کے لوگ اورادِ فتحیہ پڑھنے سے لوگوں کو روکتے ہیں‘‘۔ یہ بات سن کر حاضرین کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے، اور وہ نفرت کی چنگاری سلگانے میں کامیاب ہو جاتے۔ حالانکہ جماعت اسلامی سے وابستہ قاری سیف الدین صاحب ہی نے اورادِ فتحیہ کا اُردو اور کشمیری میں ترجمہ کر رکھا تھا، جو وہاں خاص و عام میں مقبول تھا۔ اور جماعت نے کبھی کسی کو اس کے پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا۔

جب ۲۰۰۲ء میں مجھے تہاڑ جیل، دہلی میں ایام اسیری گزارنے سے قبل دہلی پولیس کی اسپیشل سیل کے انٹروگیشن روم میں رکھا گیا، تو ایک دن خفیہ ادارے کا ایک بزرگ اہلکار راقم سے ملنے آیا۔ یہ اہلکار ریٹائرمنٹ کے قریب تھا، سوپور کا حال واحوال پوچھنے لگا۔ میں اس کے سوالات کو انٹروگیشن ہی کا حصّہ سمجھ رہا تھا۔ مگر اس نے جلد ہی وضاحت کر دی کہ ’’میں کافی مدت تک سوپور میں ڈیوٹی دے چکا ہوں، اور وہاں کے گلی کوچوں اور مقتدر افراد سے واقفیت کی یاد تازہ کرنے کے لیے ملنے آیا ہوں‘‘۔ باتوں باتوں میں اس نے مفتی غلام حسن صاحب کا بھی ذکر چھیڑا، کہ کس

طرح ۱۹۷۵ء میں شیخ محمد عبداللہ [م: ۱۹۸۲ء] کو دام حکومت میں پھنسا کر، رہے سہے جذبۂ آزادی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے جماعت اسلامی اور دیگر ایسی تنظیموں کا نظریاتی توڑ کرنے کے لیے مقامی پیروں اور مولویوں کو ایک منصوبے کے تحت آلۂ کار بنایا گیا تھا۔ سادگی میں اعتقادی اور بداعتقادی کا ہوّا کھڑا کر کے اپنی جگہ مخلص افراد نے بھی اَنجانے میں اس ہدف کو تقویت فراہم کر دی تھی۔

پختہ کار مذہبی ہندو ہونے کے باوجود یہ اہلکار، اسلام کے عقائد اور مسالک کے درمیان اختلافات کی باریکیوں پر بھرپور عبور رکھتا تھا۔ سبھی فرقوں کے عقائد اس کو اَزبر تھے۔ شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز کے فرمودات کے علاوہ مغل شہنشاہ اورنگ زیب کے ساتھ ان کے فکری اختلافات، جن سے راقم بھی ناواقف تھا، وہ سیر حاصل لیکچر دے سکتا تھا۔ اب مسئلہ دیکھنے کا یہ ہے کہ اتحاد بین المسلمین کا درد سینے میں سمیٹے مفتی صاحب، اسی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے کیوں مجبور ہو جاتے تھے؟ خفیہ ادارے کے اس بزرگ اہلکار نے مجھے ماضی کی ان کڑیوں کو جوڑنے اور سوچنے پر مجبور کیا، کہ کس طرح اچانک مذکورہ مولوی صاحب وعظ و نصیحت کرتے کرتے ٹریک سے اتر جاتے تھے؟

یہ الگ بات ہے کہ جب کشمیر میں عسکری دور کا آغاز ہوا، تو بارہمولہ میں بھارتی فوج کی ۱۹ویں ڈویژن کے کمانڈر جوگندر جسونت سنگھ، (جو بعد میں بھارتی آرمی کے ۲۱ویں چیف [۲۰۰۵ء-۲۰۰۷ء] بھی بنے)۔ انھوں نے کشمیر میں سب سے پہلے مساجد کے اماموں کو ہی تختۂ مشق بنایا۔ سوپور کی خانقاہ کے انھی مشہور ۷۰ سالہ واعظ کو بھی طلب کیا، اور ان کے جھریوں زدہ ہاتھوں پر گرم استری پھیر دی گئی تھی۔ کانگریس کے ریاستی یونٹ کے صدر غلام رسول کار کی کوششوں سے جب ان کو رہائی ملی، اور میں ان کی خیریت دریافت کرنے گیا، تو دیکھا کہ ان کے ہاتھوں کی جلد جھلس چکی تھی، چربی اور گوشت کی تہیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

ان واقعات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قوم کے لیڈر، ان نزاکتوں کا ادراک کرتے ہوئے، گلی محلے کی مساجد پر نظر رکھیں کہ وہاں مقامی امام یا مولوی صاحب کس طرح کی وعظ خوانی کر رہے ہیں؟ کیا اس سے معصوم ذہنوں کو قربانی کا بکرا تو نہیں بنایا جارہا ہے؟ ناموس رسالت کی اہمیت اور عوام کو اس کی افادیت اور معنویت بتانا اور اس پر زور دینا بجاطور پر اپنی جگہ لازم ہے، مگر اس کو بنیاد بنا کر عوام کو قانون ہاتھ میں لینے کے لیے اُکسانے والوں کو بھی سمجھنا، پرکھنا اور انجام

تک پہنچانا چاہیے۔

یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مختلف جداگانہ قومیّتوں کے نہایت گہرے تضادات اور تصادم تک پہنچے تفرقات کے باوجود، بھارت نے انڈین نیشنل ازم کو قابلِ لحاظ حد تک تشکیل دینے میں کامیابی حاصل کی۔ اگرچہ ۲۰۱۴ء کے بعد ہندو قوم پرستوں کے اقتدار میں آنے کی وجہ سے اس میں دراڑیں پڑ رہی ہیں۔ مگر اس کے مقابلے میں پاکستان ایک ہی مذہب اور صرف چار پانچ لسانی قومیّتوں کے باوجود شناخت کے حوالے سے عدم تحفظ کا شکار کیوں بن رہا ہے؟ معصوم ذہنوں کو روز تنگ نظر قومیتی احساساتِ محرومی اور نفرت بھرے مذہبی وعظوں کے انجکشن دینا بھی قومی سلامتی کو چیلنج کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔ اس لیے تنگ نظر قوم پرستوں کا معاملہ حکومت پر چھوڑ کر، کم از کم مذہبی حوالے سے نسبت رکھنے والے فسادی عناصر کو دینی قیادت ہی رضا کارانہ طور پر درست کرے، ان کی تطہیر کرے اور ان پر نظر رکھے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان کے بین الاقوامی شہرت یافتہ شہر سیالکوٹ میں سری لنکا کے باشندے کے ہجومی قتل اور پھر لاش کو جلانے کا واقعہ چیخ چیخ کر یہ پیغام دے رہا ہے کہ اس میں فی الحقیقت کوئی دینی تنظیم ملوث نہیں تھی، مگر جن افراد نے یہ قدم اٹھایا، وہ ضرور کسی کے زیر اثر ہیں، اس لیے صرف اس یا اس نوعیت کے واقعے کی محض مذمت کرنا کافی نہیں ہے، اس طرح کے واقعات کے تدارک کے لیے عملی اقدامات اٹھانا بھی انتہائی ضروری ہے۔